نفاذ شریعت کے قرآنی اُصول

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج ☆

دورِ رسالت مآب ﷺ میں نزولِ شریعت اور نفاذِ شریعت میں کوئی بُعد نہ تھا۔ ہر امرِ شریعت اپنے نزول کے ساتھ ہی نافذ العمل ہو جاتا تھا۔ مگر یہ نفاذ ابتداءً مکی زندگی میں انفرادی سطح پر تھا۔ جو بعد میں (مدنی زندگی میں) ریاستی نوعیت کا حامل ہو گیا تھا۔ البتہ شریعت کے نزول و نفاذ میں تدریج کا پہلو غالب رہا۔ قرآن مجید کی شکل میں نازل ہونے والی شریعت انسانوں پر خدا کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ اسے سمجھا جائے اور فردی اور ریاستی ہر دو سطحوں پر اسے نافذ کیا جائے جو اس کا مقصدِ نزول بھی ہے۔ جب تک نزولِ شریعت اپنے مقصد سے ہم آہنگ نہیں ہو گا معاشرے میں کسی خیر و خوبی اور برکات و حسنات کا پیدا ہونا امرِ محال ہو گا۔

قرآنِ کریم کے مطالعے سے نفاذِ شریعت اور اسلامی قانون سازی کے جو چند قرآنی اصول سامنے آتے ہیں، ہم اُسے اس مضمون میں بیان کریں گے اور ان اصولوں کی روشنی میں واضح کریں گے کہ یہ شریعت ہمارے لئے سراسر رحمت ہے اور اس کی روشنی میں جو بھی قانون سازی ہو گی وہ بھی رحمت و برکت سے معمور ہو گی۔ شریعت میں آسانیاں رکھی گئی ہیں۔ اس بنیاد پر سب کے لیے اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ ہمیں اپنی روحانی، اخلاقی اور مادی ترقی کے لئے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اصول تنظیم

نفاذِ شریعت میں تنظیم کا اصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ نظم کے بغیر شریعت کا نفاذ ناممکن ہے۔ کیونکہ قوت نافذہ اپنے اثر و نفوذ میں تنظیم کی محتاج ہے۔ نفاذِ شریعت کی دو جہتیں ہیں۔ ایک انفرادی اور دوسری سماجی، نفاذِ شریعت فقط انفرادی عمل نہیں بلکہ ایک اجتماعی (سماجی) عمل بھی ہے۔ اور اچھا سماج بغیر نظم کے قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ نفاذِ شریعت میں اس ''اصول'' کا قیام خود شریعت کا بنیادی تقاضا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔

☆ رئیس کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی۔

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾(۱)۔

(مسلمانوں کے لیے اپنے بازوؤں کو جھکائے رکھیئے)۔

گویا انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر رکھیئے۔ان کی تہذیب و تربیت کیجئے۔ظاہر ہے کہ یہ کام تنظیم سازی کا متقاضی تھا۔چنانچہ آپ ﷺ نے مومنوں کو مطلوبہ نظم کا پابند کیا۔اور انفرادی طور پر انہیں نفاذ شریعت کا محل بنا دیا تا کہ بانظم اور مربوط افراد کی بتدریج کثرت سے معاشرے میں باقاعدہ ریاست کی شکل میں کوئی تنظیم قائم ہو سکے اور وہ احکام، جو بغیر نظم عامہ کے قائم و نافذ نہیں ہو سکتے تھے، نافذ ہو سکیں۔اصول تنظیم کی ضرورت و اہمیت ذیل کی آیت سے بھی واضح ہوتی ہے۔

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾(۲)۔

(یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے اور (اقتصادیات کو بہتر کرنے کے لیے) زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے)۔

گویا نفاذ شریعت کا مقصد لوگوں کو اس نظام سے وابستہ کرنا ہے جو خدا کے حضور جھکنے والا ہو، یعنی خدا کے نازل کردہ احکام کی اطاعت کا پابند ہو اور جو معاشرے کی نشو و نما اور اس کے ارتقاء کے عمل میں ہمہ وقت مصروف جدوجہد ہو اور جو اچھی باتوں کے قوانین جاری کرتا ہو اور بری باتوں کو روکنے کی قوت رکھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک نظام اقتدار اچھے اور باصلاحیت لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور یہ رتبۂ عظیم کسی بھی قوم کو بغیر تنظیم کے حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی بغیر تنظیم کے قائم رہ سکتا ہے۔اس لیے نفاذ شریعت میں اصول تنظیم کی حیثیت مرکزی و محوری نوعیت کی ہے۔

حصول قوت کا اصول

نظم عامہ کی حفاظت کے لیے شریعت نے ''حصول قوت کا اصول'' بھی دیا ہے۔یہ وہ اصول ہے جو نفاذ شریعت کے قیام کے بعد اس کی بقاء و استحکام کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾(۳)

اور ان کے مقابلے کے لیے تم سے جس قدر بھی ہو سکے (تدبیر اور حکمت عملی کی) قوت مہیا رکھو اور (نظریاتی و جغرافیائی) سرحدوں کی حفاظت پر کمر بستہ رہو۔اس (دفاعی تیاری) سے تم اللہ کے دشمن اور

اپنے دشمن کو ڈرا سکو گے۔ یہ اصول، تنظیم کے اصول کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر تنظیم اپنے قیام و بقاء اور دوام واستمرار میں قوت کی طلبگار ہے۔

اصول تدریج

نزول شریعت میں تدریج کے اصول کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جو بشری تقاضوں اور انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ اگر ساری شریعت، انسانوں کو یکدم عطا کر دی جاتی اور نزول کے ساتھ ہی اس کے نفاذ کا مطالبہ کر دیا جاتا تو یہ خلاف فطرت و نفسیات ہوتا اور انسانی معاشرہ اسے قبول کرنے سے قاصر ہوتا۔ کیونکہ شریعت کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے بغیر سوچے سمجھے نافذ کر دیا جائے۔ ﴿لَا اِکْـرَاہَ فِـی الـدِّیْـنِ﴾ (۴) کا اعلان کرنے والی اور غور و فکر کی دعوت برپا کرنے والی شریعت کے نفاذ کا یکدم مطالبہ، بجائے خود اس شریعت کی روح کے خلاف ہوتا۔

قرآن مجید انسانی نفسیات کے مطابق ایسی الہامی کتاب ہے جس میں احکام الٰہیہ کے نزول میں تدریج کے پہلو کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ صرف حرمتِ ربا یا حرمت خمر کی مثالیں ہی اس کی دلیلیں نہیں ہیں۔ بلکہ پورا قرآن ہی اپنی حقیقت میں اسی تدریج کی نہایت عمدہ مثال ہے۔ شریعت چونکہ سوسائٹی کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے سوسائٹی کی ساخت اور اس کی نفسیات کا لحاظ بھی اسے درکار ہوتا ہے۔ نیز نزول احکام میں سوسائٹی کی مجموعی حالت اور ارتقائی امکانات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ معاشرہ تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے بہتری کی طرف گامزن ہو سکے۔ جیسے کسی بیمار کا علاج معالجہ، بدلتی دواؤں اور غذاؤں کے تدریجی ارتقاء کے ساتھ ہی اسے مبدل بہ صحت کرتا ہے۔ اسی طرح روحانی طور پر بیمار قوم کا علاج بھی وقت کے تقاضوں اور مصلحتوں کے تدریجی ارتقاء کے بغیر ناممکن ہے۔ پس نفاذ شریعت میں تدریج کے اصول کو ملحوظ رکھنا، انسانی نفسیات کا عین تقاضا ہے۔

اصول تیسیر

قرآن مجید اپنے اظہار و بیان میں بطور تفہیم کے بہت آسان ہے۔ اس کا ہدایت بھرا، ناصحانہ انداز اپنے اندر عجیب کشش رکھتا ہے۔ اس نے انبیائے ماسبق کے واقعات کے ضمن میں اپنے آسان ہونے کا چار مقامات پر ذکر کیا ہے جو کہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کامیابی اور کفار کی ناکامی کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِن مُّدَّکِرٍ﴾ (۵)۔

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کیا ہے۔تو کیا کوئی ہے؟ جو نصیحت حاصل کرے۔

۲۔ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد بھی بطور تبصرہ یہی کہا(۶)۔

۳۔ پھر قوم ثمود کی بربادی کے بعد یہی تبصرہ کیا(۷)۔

۴۔ اور قوم لوط کی تباہی کے بعد بھی یہی فرمایا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾(۸)۔

غرض سورۂ قمر میں ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ کے الفاظ چار مرتبہ .....اور ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ کے الفاظ چھ مرتبہ لائے گئے ہیں۔بحیثیت مجموعی پورے قرآن کو از روئے تفہیم آسان قرار دینا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ شریعت میں آسانی کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔قرآن کا قابل فہم ہونا، بجائے خود اس امر کو لازم کرتا ہے کہ قرآن سے اخذ و استفادہ کرتے وقت آسان پہلوؤں کو اولیت حاصل ہو۔ وگرنہ قرآن "عسیر الفهم" بن جائے گا۔

قرآن کا آسان ہونا ذیل کی آیات سے بھی واضح ہے۔

الف۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (۹)

پس ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے، جہاں متبعین کو کامیابی کی خوشخبری سنا سکیں، وہیں اس کے ذریعے، جھگڑا کرنے والوں کو ناکامی کی وعید بھی سنا سکیں۔

ب۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ. (۱۰)

سو ہم نے اسے آپ ہی کی زبان میں آسان کر دیا ہے۔تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

ج۔ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى. (۱۱)

اور ہم تم کو آسان (شریعت یا طریقہ) کی سہولت دیں گے، سو جہاں تک نصیحت کے نافع ہونے کی امید ہو، نصیحت کرتے رہو۔

اس آیت میں نفاذ شریعت کو آسانی اور سہولت کے عمل سے وابستہ کیا گیا ہے۔مطلب یہ کہ نفاذ شریعت کے لیے خدا کی طرف سے ایسے اسباب مہیا ہو جائیں گے کہ لوگوں کا اس پر چلنا آسان ہو جائے گا۔اور اس راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔آیت مذکورہ میں جہاں نفاذ شریعت کے آسان ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔وہیں خود شریعت کے آسان ہونے کا بیان بھی آپ سے آپ موجود ہے۔اس لیے آیت کی تفسیر دونوں طریق سے کی گئی ہے۔

اب آئیے! اسلامی قانون سازی کے لیئے قرآنی ''اصول تیسیر'' کی طرف اور دیکھیئے کہ اس ضمن میں وہ ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (۱۲)

اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔

اوامر ونواہی کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔ اور جو ہیں بھی تو وہ غیر ضروری تفصیلات سے مبرا ہیں، اسی لیے ہر ایک کے لیے یسیر التعمیل بھی ہیں۔ قرآنی احکام سے استخراج واستنباط مسائل کے باب میں اس اصول کو شدت سے ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ ہر زمانے کے اجتہادات۔۔۔ صبح قیامت تک۔۔۔ مطابق منشائے قرآن ہونے کے سبب، یسیر التعمیل ہو سکیں اور شریعت کا دعویٰ یسر، ہر دور میں واضح ہو سکے۔

شریعت کے آسان ہونے کے چند حوالے ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

سورۂ مزمل میں کہا گیا:

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَى مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ (۱۳)

(بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ کبھی دو تہائی شب کے قریب اور کبھی نصف شب اور کبھی ایک تہائی شب کے قریب قیام کرتے ہیں اور ان لوگوں کی ایک مختصر جماعت بھی آپ کے ساتھ عبادت میں شریک رہتی ہے، جو آپ کے صحابہ ہیں۔ اور اللہ ہی نے رات اور دن کا قانون بنایا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ (اے مومنو!) تم ہرگز اس کی حفاظت نہ کر سکو گے۔ پس اس نے تم پر (اصول تیسیر کے تحت) رحم کیا۔ چنانچہ جس قدر آسانی سے ممکن ہو، قرآن پڑھ لیا کرو، اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے بعض بیمار ہوں گے اور دوسرے وہ جو زمین میں سفر کریں گے، تا کہ اللہ کا فضل تلاش کریں، اور بعض وہ جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے، سو جتنا آسانی سے ہو سکے، اتنا ہی پڑھ لیا کرو)۔

اس آیت میں قیام لیل کے حکم وجوبی کو ''اصول تیسیر'' کے مطابق، علیٰ حسب استطاعت، نرم کر دیا اور اس طرح حکم وجوبی ''یسیر التعمیل'' ہو گیا۔ واضح رہے کہ اس حکم میں بیماری، سفر، اور جہاد، بطور عذر بیان کیے گئے ہیں۔

حج کے بعض احکام بھی اسی اصول تیسیر کی روشنی میں دیکھیے۔

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾(۱۴)۔

(اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ پھر اگر تم (حالت جنگ کی وجہ سے) روکے جاؤ تو جو کچھ قربانی آسانی سے میسر آئے (خانہ کعبہ بھیج دیا کرو))

﴿فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾(۱۵)۔

(پھر جب تم حالت امن میں ہو، تو جو کوئی بھی عمرے کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کردے) پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے، وہیں (مکہ میں) رکھے اور سات، اس وقت رکھے، جب حج سے واپسی ہو۔ اس طرح یہ دس روزے مکمل ہوں گے۔ یہ سہولت اور آسانی اس کے لیے ہے جس کے اہل وعیال حدود حرم کے رہائشی نہ ہوں (یعنی مکہ کا رہنے والا نہ ہو))۔

آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں قربانی کو تیسیر (آسانی) سے منسلک کیا گیا ہے۔ اور عدم تیسیر کی صورت میں عازم مکہ کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ دس روزے رکھ لے اور سہولت در سہولت یہ کہ تین روزے مکہ میں اور باقی کے سات روزے گھر آ کر مکمل کرے۔

اسلامی قانون سازی میں یُسر کے پہلو کو غالب حیثیت دی گئی ہے۔ اسے ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

﴿وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا﴾(۱۶)

(اور جو شخص ایمان لائے گا اور اچھے اعمال اختیار کرے گا تو اس کے لئے بہترین بدلہ ہے، اور ہم اس کے لیے اپنے احکام میں آسان بات کہیں گے)۔

قران مجید نے ایمان اور عملِ صالح اختیار کرنے والوں کے حق میں ''آسان بات'' کہنے کا جو ذکر کیا ہے، اس سے منشائے قرآن، ''اصول تیسیر'' کے حق میں مزید واضح ہو جاتی ہے۔ یہ آیت چونکہ حضرت ذوالقرنین کے تعلق سے آئی ہے۔ حضرت ذوالقرنین، ریاستی یا حکومتی قانون سازی کے لیے ﴿وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا﴾ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکمرانوں اور فاتحین کو آسان قوانین وضع کرنے چاہیں، ایسے قوانین، جو سب کے

لیے باسہولت اور قابل عمل ہوں۔

اب اسی پہلو کو ذیل کی آیت میں دیکھیے۔

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾(۱۷)

(اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک مہلت دینی چاہیے۔ اور اگر تم خیرات کر دو تو تمہارے لیئے بہتر ہے اگر تم جانو)۔

اس حکم میں ''اصول تیسیر'' کی کارفرمائی واضح ہے۔ یعنی مقروض اگر وقت مقررہ پر قرض ادا کرنے کے قابل نہیں تو اسے مہلت دی جانی چاہیئے یا پھر معاف کر دینا چاہیئے۔ یعنی انہیں جیل بھجوانے کے لیئے قانون سازی نہیں کرنی چاہیئے۔

اصول وسعت

نفاذ شریعت اور اسلامی قانون سازی میں ''اصول وسعت'' بھی ایک اہم عامل ہے۔ ذیل کی آیات سے یہ اصول واضح ہے۔

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۱۸)۔

(مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں۔ یہ حکم اس کے لیے، جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے)۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۱۹)۔

(اللہ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف (ذمہ دار) نہیں ٹھہراتا)۔

اس آیت کا ترجمہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے:

اللہ انسان پر جو ذمہ داری ڈالتا ہے اس سے اس کی وسعتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۲۰)۔

(اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا۔ مگر ایسے طریق سے، جو بہت ہی پسندیدہ ہو، یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے، اور پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے)۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ لاَ نُكَلِّفُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَهَا أُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾(۲۱)۔

(اور جو لوگ ایمان لائے اور لائق قدر اعمال انجام دیتے رہے۔ (الغرض) ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ دار نہیں بناتے۔ یہی لوگ اہل جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

﴿وَلاَ نُكَلِّفُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾(۲۲)۔

(اور ہم کسی جان کو تکلیف نہیں دیتے۔ مگر اس کی استعداد کے مطابق اور ہمارے پاس نوشتۂ اعمال موجود ہے۔ جو ہر بات سچ سچ بتادے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا)۔

مذکورہ بالا پانچوں، آیتوں میں نفس انسانی کو اس کی وسعت کے مطابق مکلف کرنے کا بیان مذکور ہوا ہے۔ اور ہر جگہ جداگانہ احکام و حقائق کے ضمن میں ان الفاظ کو دہرایا گیا ہے۔ جس میں ''اصول وسعت'' کا بیان ہے۔ مثلاً اول الذکر آیت میں نوزائیدہ بچوں کو دو سال تک دودھ پلانے کے حکم کے بعد یہ فرمایا کہ یہ مدت ان لوگوں کے لیے ہے جو اس انتہائی مدت کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں، گویا اس مدت سے قبل بھی انفصال ہوسکتا ہے۔ مگر یہ انفصال، ظاہر ہے کہ انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے ہوگا۔

سورۂ انعام کی آیت میں مال یتیم کے قریب، غیر پسندیدہ طریق سے جانے سے روکا گیا ہے، اور ناپ تول میں انصاف کو ملحوظ رکھنے کے حکم کے بعد نفس انسانی کی وسعتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر ان وسعتوں کو ذمہ داریوں سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ مقصود کلام یہ کہ خدا کی طرف سے نازل کردہ احکام کے ذریعے نفس انسانی کے اختیارات میں وسعتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور مباحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ تاکہ انسان اپنی دنیوی حیات میں زیادہ سے زیادہ منضبط، فعال، اور متحرک کردار ادا کر سکے۔ گویا خدائی احکام کی پابندیوں سے انسان کے اندر آزادی کی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے بقول:

می شود از جبر پیدا اختیار

سورۂ اعراف کی آیت کو دیکھیے تو پتہ چلے گا کہ ایمان اور عملِ صالح کو متعلق بالوسعت کر کے ہی ان ذمہ داروں کو اصحاب الجنت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ مومنون کی آیت کے مطابق، جو لوگ خدائی احکام کی پابندی سے اپنے اندر ظرف وسعت پیدا کر لیتے ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ آخرت میں خدا کے پاس انسانی اعمال کا نوشتہ موجود ہوگا جو ہر بات کو کھول کر رکھ دے گا۔ مطلب یہ کہ شرعی ذمہ داریوں کا نبھاؤ انہیں انصاف سے ہم آہنگ کر دے گا۔ واضح رہے کہ شریعت کا اصول وسعت انسان کو اس کی فطری طاقت کے بقدر ذمہ دار بناتا ہے۔

انسانی وسعت کے پیش نظر مسلمانوں کو دیئے گئے بعض احکام کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

روزوں کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْه﴾ (۲۳)۔

(پس جو کوئی ماہِ رمضان کا چاند دیکھ لے (خواہ بصارت سے، خواہ بصیرت سے) سو وہ اس ماہ کے روزے رکھے)۔

پھر فرمایا مریض اور حالت سفری کے لوگ بعد کے دنوں میں یہ گنتی پوری کرلیں اور اس کے بعد فرمایا:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ (۲۴)۔

(جو لوگ بامشقتِ تمام، روزہ رکھ سکیں تو وہ روزے کے بدلے کسی مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں)۔

یہ ہے علیٰ قدرِ وسعت مکلّف ٹھہرانے کی مثال۔ اسے قلت تکلیف کے اصول کی مثال بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح مناسک حج کے سلسلے میں جہاں حجامت نہ بنوانے کا حکم دیا گیا وہیں اس حکم کے بعد یہ رعایت مذکور ہوئی کہ اگر کوئی مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ اس کے بدلے میں روزے رکھ لے۔ یا کوئی عطیہ دے دے۔ یا کوئی اور عمل خیر کرلے (۲۵)۔

اسی طرح قتل مومن بالخطاء کے فدیہ کے طور پر، ایک غلام آزاد کرنے کا حکم ملتا ہے۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ جسے اس کی استطاعت نہ ہو تو وہ دو ماہ کے روزے رکھ لے (۲۶)۔ یہ متبادل فدیہ بھی ''اصول وسعت'' کا آئینہ دار ہے۔

﴿لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللّهُ بِاللَّغْوِ فِيَ أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ﴾ (۲۷)۔

(اللہ تعالیٰ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرماتا۔ البتہ تمہاری ان قسموں پر ضرور گرفت فرماتا ہے جنہیں تم مضبوط کرلیتے ہو، تو اس کا یہ کفارہ ہے، دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا، جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے دینا یا کسی غلام و باندی کو آزاد کرانا، پھر جسے یہ میسر نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہوگا)۔

اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے کئی آپشنز رکھے ہیں۔ جس میں، انسان کی سہولت اور معاشرے کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ خدائی شریعت کا اصول وسعت، اس حکم میں بہت واضح ہے۔

اسی طرح یہ آیت بھی دیکھیے۔

﴿ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا﴾ (۲۸)۔

(اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں۔ پھر اپنے کہے سے پلٹنا چاہتے ہیں تو ان پر لازم

ہے کہ وہ ایک گردن چھڑائیں قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں)۔
پھر جسے یہ سہولت میسر نہ ہو تو وہ:

﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِيناً﴾ (۲۹)۔

(دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔ قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے)۔

اس جگہ بھی علیٰ قدر وسعت کئی آپشنز رکھے گئے ہیں۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ نفاذ شریعت میں اصول وسعت کو خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے فرائض نبوت میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ معروفات کا حکم دیتے اور منکرات سے روکتے ہیں۔ طیب کو حلال اور خبیث کو حرام کرتے ہیں۔ وہیں یہ بھی بتایا گیا ہے۔

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (۳۰)۔

(اور ان سے ان کے وہ بوجھ بھی اتارتے ہیں اور وہ طوق بھی جن میں وہ (جہالت کے سبب) جکڑے ہوئے تھے)۔

مطلب یہ کہ ان کے وہ ''آصار واغلال'' ایسی ناجائز پابندیاں تھیں۔ جن میں انہوں نے شریعت کا علم نہ ہونے کے سبب خود کو جکڑ کر رکھا تھا۔ خود ساختہ ناروا پابندیاں عائد کرنا اور خود کو مباحات سے دور رکھنا۔ خدا کو پسند نہیں۔ اسی لیے کار نبوت میں اس امر کو بھی داخل کر دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو ان ''بدعات'' سے نکالیں۔ اور انہیں خدا کی دی ہوئی وسعتوں میں ذمہ دارانہ حیثیت میں آزاد کر دیں۔ گویا شریعت کے مطلوبات میں یہ ''آزادی'' بھی شامل ہے اور یہ آزادی ''اصول وسعت'' کے تحت انسانوں کو عطا کی گئی ہے۔

سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۶۔۷ اسی تناظر میں دیکھیے۔

تم اپنی مطلقات کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو، جہاں تم رہتے ہو، اور انہیں (کسی بھی طرح) تنگ کرنے کے لیے کوئی تکلیف نہ دو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ بچہ جن لیں پھر اگر وہ تمہارے کہنے پر بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دے دو اور آپس میں پسندیدہ طور پر مشورہ کر لیا کرو اور اگر تم (رضاعت میں) ایک دوسرے سے تنگی محسوس کرو تو اسے (اب کوئی) دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے اور جس کی آمدنی کم ہو تو وہ اسی روزی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتا۔ مگر اسی قدر جتنا کہ اس نے عطا کر رکھا ہے۔ اللہ عنقریب، تنگی کے بعد آسانی مہیا کر دے گا۔

ان احکام میں جو سہولت [illegible]ری اور آسانی رکھی گئی ہے اسے ملحوظ خاطر رکھا جائے تو بصورت تنفیذ بھی شریعت کی

آسانی پر استدلال واضح ہے۔ نیز نو پیدا مسائل کے حل میں بھی بصورت اجتہاد، ''اصول وسعت'' کی فراہم کردہ آسانی، لوگوں کو باسہولت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اصول عدم حرج

شریعت کا ایک قرآنی اصول ''عدم حرج'' بھی ہے۔ اور اس اصول کی سند یہ ہے:

﴿مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ ﴾(۳۱)۔

(اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے)۔

استنباط احکام اور تخریج مسائل میں بہت سے موقعوں پر اس اصول سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس مقام پر یہ اصول قرآن کے جس سلسلہ احکام میں وارد ہوا ہے۔ ان کا تعلق، وضو، غسل، اور تیمّم کے مسائل سے ہے۔

اسی طرح:

﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾(۳۲)۔

(تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی)۔

علمائے تفسیر نے اس مقام پر ''اصول عدم حرج'' سے متعدد مباحث پیش کئے ہیں۔ مثلاً قصر صلوٰۃ کی بحث۔ مریض و مسافر کے لیے روزے کی رخصت۔ بیمار کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اندھے لنگڑے اور مریض پر جہاد فرض نہ ہونے کی بحث وغیرہ۔ غرض یہ اصول ہمہ اقسام کی تنگیوں کو مبدل بہ فراخی و کشادگی کرنے سے عبارت ہے۔

سورۂ احزاب کے ایک مقام پر منہ بولے بیٹوں کی مطلقات سے نکاح کرنے کو عہد جاہلیت کا ''حرج'' قرار دے کر، مومنوں کو اسی تنگی اور دشواری سے نکالا گیا ہے۔

﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَراً﴾(۳۳)۔

(تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے۔ جب وہ انہیں (بصورت طلاق) علیحدہ کردیں)۔

واضح ہو کہ اس حرج سے نکالنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی ﷺ کو منتخب فرمایا تاکہ ''عدم الحرج'' کا قرآنی اصول، خود اس کے نبی ﷺ کے نمونہ عمل سے مجسم ومفسر ہو سکے۔

﴿مَّا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ﴾(۳۴)۔

نبی پر اس امر میں کوئی حرج نہیں، جو اللہ نے اس کے لیئے مقرر کیا ہے۔

الغرض، نفاذ شریعت اور قانون سازی میں ''اصول عدم حرج'' بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

RESEARCH INDEX APPROVED PROJECT اسلامی تحقیق کا اشاریہ

اصولِ تخفیف

اصولِ تخفیف بھی نفاذِ شریعت اور قانون سازی میں بنیادی قدر کا حامل ہے۔ ذیل کی آیت میں اس حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے۔

﴿يُرِيدُ اللّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الإِنسَانُ ضَعِيفاً﴾ (۳۵)۔

(اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کردے اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے)۔

شریعت سازی چونکہ انسان کی استطاعت سے باہر تھی کیونکہ انسان اس امر میں کمزور پیدا ہوا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ذمہ لے لیا۔ اور انسانوں پر شریعت سازی کا کوئی بوجھ نہیں رہنے دیا۔ یہاں انسانوں پر جس بوجھ کے ہلکا کرنے کا ذکر ہے۔ یہ وہی شریعت کا بوجھ ہے۔ مگر واضح رہے کہ انسان، خدا کی شریعت کو بطور اصل کے مان کر، اس کے گہرے مطالعہ کی روشنی میں اجتہادی اصول وضع کرنے کی صلاحیت ضرور رکھتا ہے۔ خدا نے (اپنے احکام کی صورت میں)انسانوں پر اتنا ہی بوجھ ڈالا ہے۔ جتنے کی ان میں سکت اور ہمت پیدا کی ہے۔ انسانوں پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ ڈالنا، چونکہ خلاف مشیت تھا۔ اس لیئے اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ضعف انسانی کے پیشِ نظر تخفیف کے اصول کو مستقل قدر کے طور پر قائم فرمادیا۔ پس اجتہادی عمل میں اس اصول کو ملحوظ رکھا جائے گا اور آسان احکام وضع کیئے جائیں گے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِيْ الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَى بِالأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاء إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ (۳۶)۔

(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص مقرر کیا گیا ہے۔ (قاتل) آزاد ہو تو آزاد (ہی مارا جائے) اور غلام ہو تو غلام اور عورت ہو تو عورت۔ مگر جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو معاشرے کے عرف کے مطابق عمل کیا جائے اور ادائیگی میں عمدگی یا طلب سے بڑھ کر دینے کا معاملہ کیا جائے، اس قانون میں تمہارے رب کی طرف سے سہولت اور ہمدردی کا پہلو رکھا گیا ہے)۔

آیت مذکورہ میں قانون قصاص میں ''اصول تخفیف'' کو انسانی ضرورت و مصلحت کے پہلو سے اختیار کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ قتل جیسے بھیانک اور ہولناک جرم میں بھی جہاں بدلہ کی بات کی گئی ہے۔ وہیں مقتول کے ورثاء کی طرف سے معاف کرنے کا آپشن بھی رکھا گیا ہے۔ نفاذِ شریعت میں یہ اصول، متعدد جگہوں پر انسانی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا نظر آئے گا۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ

يَـغْلِبُوا مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفاً مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ○ الآنَ خَفَّفَ اللّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفاً﴾ (۳۷)۔

(اے نبی! مومنوں کو جنگ پر آمادہ کیجئے (اور انہیں بتایئے کہ) اگر تم میں سے بیس ڈٹ جانے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ ایسا اس لئے ہوگا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو فقاہت سے خالی ہیں۔ اس وقت اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے ظاہر کر دیا ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ پس اس حالت میں بھی، اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ اور اللہ پامردی سے مقابلہ کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

یہاں بھی حکم قتال کے ساتھ ''اصول تخفیف'' کارفرما ہے۔ جسے مسلمانوں کی ایمانی و مادی کمزوری کے پیشِ نظر واضح کیا گیا ہے۔ یہ اصول ہر اس جگہ کارفرما ہوگا۔ جہاں مسلمانوں کے حالات، اس کے متقاضی ہوں گے۔ شارع نے یہ اصول دے کر سمجھا دیا ہے کہ قتال جیسے اہم معاملہ میں بھی، جس طرح اصول تخفیف کے تحت وہ کسی رعایت کے مستحق قرار پاتے ہیں، وہیں دیگر معاملات میں بھی اسی اصول کے تحت مستحق رعایت ہو سکتے ہیں۔ غرض نفاذ شریعت میں یہ اصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح یہ آیت بھی دیکھیئے:

﴿ لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللّهُ بِاللَّغْوِ فِيَ أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (۳۸)۔

(اللہ تمہیں ایسی قسموں پر نہیں پکڑے گا جو بلا ارادہ اور فضول ہوتی ہیں۔ البتہ ایسی قسموں پر ضرور گرفت کرے گا جو تم دل سے کھاتے ہو)۔

لغو سے مراد ایسا کلام ہے جو بغیر سوچے سمجھے منہ سے نکالا جائے۔ ایسے کلاموں پر اللہ نے پیشگی معافی کا اظہار کر دیا ہے۔ جو ''اصول تخفیف'' کے تحت سمجھا جا سکتا ہے۔ خدا کی شریعت میں اس طرح کی رعایات، انسانی کمزوریوں کے پیشِ نظر رکھی گئی ہیں۔ نفاذ شریعت میں یہ اصول ہمارے بھی پیش نگاہ رہنا چاہیئے۔ اصول تخفیف کی کارفرمائی درج ذیل آیت میں بھی ملاحظہ کیجئے۔

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللّهُ غَفُوراً رَّحِيماً﴾ (۳۹)۔

(اور اس باب میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم سے خطا ہو جائے لیکن (وہ گناہ ضرور ہے) جو تمہارے دل سوچ سمجھ کر کریں)۔

اس اصول کو ہم اپنی عائلی زندگی میں اپنا کر، بہت سی غلطیوں یا غلط فیصلوں سے بچ سکتے ہیں۔ مثلاً طلاق کے

الفاظ جو بغیر قصدِ دلی کے ۔۔۔ مونہوں سے نکل جاتے ہیں ۔ وہ ''طلاق واقعی'' پر محمول نہ کیئے جائیں وغیرہ۔

اصولِ تلفیق

یہ وہ اصول ہے جو ہمیں قرآن مجید سے ہر آن منسلک رکھتا ہے۔ کیونکہ مسائل اجتہاد میں جو فقہی مکاتب چل پڑے ہیں وہ سب کے سب مستخرج من القرآن والسنہ (قرآن وسنت سے ہی ماخوذ) ہونے کے دعویدار ہیں۔ اور بر بنائے دعویٰ وہ تمام کے تمام ملت اسلامیہ کا مشترک سرمایہ ہیں۔ ہمارے نزدیک بغیر تفریق مکتب کے اس پورے فقہی سرمائے سے استفادہ کرنا ہی اصولِ تلفیق ہے۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ اصل اتباع قرآن کریم کی مقصود ہو۔ کیونکہ قرآن تمام کتب ماسبق پر ''مھیمن'' (غالب) بنایا گیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو کتاب گذشتہ کتابوں پر نگران ہو۔ (یعنی ان کے قبول ورد کا واحد معیار) وہ اپنے مابعد کتابوں کی نگران نہ ہو؟ پس قرآن کی اس خصوصیت کا لازمی تقاضا ہے کہ مسلمانان عالم اپنے پورے فقہی ذخیرے کے قبول ورد کا واحد معیار اور میزان اسی کتاب کو بنائیں اور چونکہ قرآن کی ایک خصوصیت اس کا ''فرقان'' ہونا بھی ہے۔ جس کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے کہ وہ کھرے، کھوٹے اور صحیح، غلط کے مابین خط امتیاز کھینچ دے۔

پس اصول تلفیق سے استفادہ، قرآن کی ان ہر دو خصوصیات کی روشنی میں کیا جائے گا۔ یہاں توضیح مزید کے لئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے دو مختصر اقتباسات یقیناً بے محل نہ ہوں گے۔

''صحیح اصول یہ ہے کہ مختلف مسائل میں جس کا اجتہاد بھی ہمیں کتاب وسنت کے زیادہ موافق اور حالات اور مصالح سے زیادہ ہم آہنگ نظر آئے۔ ہمیں وہ اختیار کر لینا چاہیئے۔ خواہ وہ کسی امام کی طرف بھی منسوب ہو، معقولیت کا تقاضا بھی یہی ہے اور اسلام نے ہمیں تاکید اسی چیز کی' کی ہے۔

> اجتہادی معاملات میں اسلام نے ہمیں امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کی پیروی کی ہدایت نہیں کی ہے بلکہ اس اجتہاد کی پیروی کی ہدایت کی ہے جو کتاب وسنت سے زیادہ موافقت رکھنے والا نظر آئے۔ اس چیز کی تاکید ان بزرگ آئمہ نے بھی فرمائی ہے۔ اگر ہم تدوین قانون کے معاملہ میں یہ روش اختیار کریں گے تو اس سے کئی نہایت واضح فائدے ہوں گے'' (۴۰)۔
>
> ''اسلام نے اجتہادی مسائل میں ہم کو کسی متعین فقہ کی تقلید کی بجائے اوفق بالکتاب والسنہ (قرآن وسنت سے زیادہ موافق) کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اور یہ چیز صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم کسی متعین فقہ کی تقلید کے بجائے ہر امر میں یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ اس کے بارے میں فقہاء و مجتہدین کے جو اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے کتاب وسنت سے قریب تر قول کون سا ہے؟'' (۴۱)۔

مذکورہ بالا جن آٹھ اصولوں پر ہم نے اپنی گزارشات پیش کی ہیں۔

ان میں سے بعض اصول جداگانہ نوعیت کے ہیں۔ گویا تفرد کے حامل ہیں۔ اور بعض ایک دوسرے کے مترادف لگتے ہیں۔ جیسے ایک دوسرے کی تفسیر ہوں۔ اس لیے کہ ان کا منشاء و مقصد بھی ایک ہی ہے مگر ہم نے قرآنی الفاظ کی رعایت میں انہیں الگ سے نمایاں کیا ہے۔ بہر حال یہ تکرار معنویت سے خالی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض اصولوں کے تحت کم مثالیں دی گئی ہیں اور بعض کے تحت زیادہ۔ اس کمی وزیادتی سے نفس مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ہمارا مقصود اصول واضح کرنا تھا اور بس۔ البتہ ان اصولوں میں مزید اصولوں کا اضافہ ضرور ممکن ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الحجر ۱۵: ۸۸۔

۲۔ الحج ۲۲: ۳۱۔

۳۔ الانفال ۸: ۶۰۔

۴۔ البقرۃ ۲: ۲۵۶۔

۵۔ القمر ۵۴: ۱۷۔

۶۔ القمر ۵۴: ۲۲۔

۷۔ القمر ۵۴: ۳۲۔

۸۔ القمر ۵۴: ۱۷۔

۹۔ مریم ۱۹: ۹۷۔

۱۰۔ الدخان ۴۴: ۵۸۔

۱۱۔ الاعلیٰ ۸۷: ۹۸۔

۱۲۔ البقرہ ۲: ۱۸۵۔

۱۳۔ المزمل ۷۳: ۲۰۔

۱۴۔ البقرہ ۲: ۱۹۶۔

۱۵۔ البقرہ ۲: ۱۹۶۔

۱۶۔ الکہف ۱۸: ۸۸۔

۱۷۔ البقرہ ۲: ۲۸۰۔

۱۸۔ البقرہ ۲: ۲۳۳۔

۱۹۔ البقرہ ۲: ۲۸۶۔

۲۰۔ الانعام ۶: ۱۵۲۔

۲۱۔ الاعراف ۷: ۴۲۔

۲۲۔ المومنون ۲۳: ۶۲۔

۲۳۔ البقرہ ۲: ۱۸۴۔

۲۴۔ البقرہ ۲: ۱۸۴۔

۲۵۔ البقرہ ۲: ۱۹۴۔

۲۶۔ النساء ۴:۹۲۔

۲۷۔ المائدہ ۵ :۸۹۔

۲۸۔ المجادلہ ۸۵ :۳۔

۲۹۔ المجادلہ ۸۵ :۴۔

۳۰۔ الاعراف ۷ :۱۵۷۔

۳۱۔ المائدہ ۵ :۶۔

۳۲۔ حج ۲۲:۷۸۔

۳۳۔ الاحزاب۳۳ :۳۷۔

۳۴۔ الاحزاب ۳۳ :۳۸۔

۳۵۔ النساء ۴ :۲۸۔

۳۶۔ البقرہ ۲ :۱۷۸۔

۳۷۔ الانفال ۸ :۶۶۔۶۵۔

۳۸۔ البقرہ ۲ :۲۲۵۔

۳۹۔ الاحزاب ۳۳:۵۔

۴۰۔ امین احسن اصلاحی، جدید اسلامی ریاست میں قانون سازی اور مسائل، لاہور، دارالتذکیر، ۲۰۰۵ء، ص ۹۴۔

۴۱۔ امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۷۔